ہے۔ اس لیے یہ خیال بے اصل ہے کہ شاہ عالم نے یہ مرثیہ بھی کہا ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ لکھنؤ میں انھوں نے مشق کو دیکھا تھا۔

وہ مجلس کی ایک روایت کو بھی میر حسن کی تصنیف [illegible] ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مخطوطہ قلمی [illegible] میں [illegible] صاحب [illegible] پاس ہے۔ حکیم صاحب نے اسے "[illegible]" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اسم قلمی [illegible] کوئی مخطوطہ شہادت موجود نہیں جس کی بنا پر اسے میر حسن کی تصنیف مانا جائے۔ البتہ ایسی کئی باتیں سامنے آتی ہیں جن کی بنا پر اسے میر حسن کی تصنیف مانا جا سکتا ہے۔ میری رائے میں میر حسن سے اس کتاب کو منسوب کرنا قابل قبول نہیں۔ معلوم نہیں کس کی کتاب ہے۔

سحر البیان

ان کی سب سے اہم تصنیف مثنوی سحر البیان ہے جس نے ان کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ شہرت اور قبول عام کے لحاظ سے اردو میں ایسی کم کتابیں ہیں جنھیں اس کے مقابل رکھا جا سکے۔ اس مثنوی کے آخر میں جو قطعہ تاریخ ہے، اس سے اس کا سال تکمیل ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵-۸۶ء) معلوم ہوتا ہے۔ یعنی یہ اٹھارویں صدی عیسوی کے ربع آخر کی تصنیف ہے۔ اس صدی کے اواخر تک اور انیسویں صدی کے اوائل تک کے دبستانی دور میں سحر البیان کی پانچ دہائیاں ہیں۔ ایک کتاب ہے جسے پذیرائی اور قبول عام کے لحاظ سے اور اپنی مرتبے کے اعتبار سے اس کے برابر رکھا جا سکتا ہے۔ یہاں [illegible] ہے اور [illegible]

مثنوی کا نام

یہ مثنوی "سحر البیان" کے نام سے مشہور ہے؛ سوال یہ ہے کہ یہ نام کیا میر حسن نے رکھا تھا؟ اس مثنوی کے ایک شعر میں یہ مرکب آیا ہے، مگر بہ طور نام نہیں۔ میں اُس جگہ سے تین شعر نقل کرتا ہوں:

نہیں مثنوی، ہے یہ اک پھل جھڑی　　مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی　　(۲۱۸۲)
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں　　نہیں مثنوی، ہے یہ سحر البیاں　　(۲۱۸۳)
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام　　کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام　　(۲۱۸۴)

یہ بہت واضح ہے کہ متعلقہ شعر میں "سحر البیان" نام کے طور پر نہیں آیا؛ یہ اُسی طرح آیا ہے، جس طرح "موتی کی لڑی" اور "پھل جھڑی" کے الفاظ آئے ہیں۔ پوری مثنوی میں کسی دوسری جگہ نہ تو یہ لفظ آیا ہے اور نہ کوئی اور لفظ نام کے طور پر آیا ہے۔ اس طرح یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ میر حسن نے اس مثنوی کا کوئی نام نہیں رکھا تھا۔

میر حسن کی بارہ مثنویاں ہیں۔ گیارہ مثنویوں کا مجموعہ "مثنویاتِ حسن" کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور نے چھاپا ہے، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی۔ ان میں سے سات مثنویوں میں کوئی ایسا مصرع یا شعر یا اشعار نہیں ملتے جن سے یہ معلوم ہو کہ میر حسن نے کسی مثنوی کا کوئی نام رکھا تھا۔ ان ساتوں مثنویوں کے جو نام ملتے ہیں، وہ کس کے تصنیف کیے ہوئے ہیں؟ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ میر حسن نے ان میں سے کسی مثنوی کا کوئی نام نہیں رکھا تھا۔

ہاں چار مثنویاں ایسی ہیں جن کے متعلق یقین کے ساتھ ہم کہہ سکتے

Scanned with CamScanner

ہیں کہ ان کے نام میر حسن نے رکھے ہوئے ہیں۔ میں مثنویاتِ حسن سے ان چاروں مثنویوں کے متعلقہ مصرعے نقل کرتا ہوں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جن مثنویوں کے نام میر حسن کے متعین کیے ہوئے ہیں، وہ کس طرح معرضِ اظہار میں آئے ہیں:

۱۔ رموز العارفین: نام ہے اس کا "رموز العارفین" (مثنویاتِ حسن، ص ۶۰)

۲۔ گلزارِ ارم: سو اس کا نام "گلزارِ ارم" ہے (" " ص ۲۱۲)

۳۔ تہنیتِ عید[1]: کہ ہے "عید کی تہنیت" اس کا نام (" " ص ۳۲۳)

۴۔ خوانِ نعمت: رکھا ہے نام اس کا "خوانِ نعمت" (" " ص ۳۷۸)

میر حسن نے جن چار مثنویوں کے نام لکھے ہیں، وہ کنایے یا اشارے کے طور پر بیان میں نہیں آئے ہیں؛ صاف لفظوں میں یہ لکھا گیا ہے کہ اس مثنوی کا نام یہ ہے۔ "سحر البیان" میں ایسی کوئی صراحت موجود نہیں، پھر یہ نام کس نے رکھا ہے؟

اس مثنوی کے جو خطی نسخے میرے سامنے ہیں، اُن میں سے کسی نسخے میں "سحر البیان" بہ طور نام نہیں ملتا۔ ہر ترقیمے میں مثنوی میر حسن، یا مثنوی بے نظیر بدرِ منیر جیسے ٹکڑے نام کے طور پر ملتے ہیں۔ ذیل میں ان نسخوں کے ترقیمے ان کے مندرجات نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ نسخہ آزاد (۱۲۰۶ھ) : مثنوی تصنیف میر حسن

۲۔ انجمن (۱۲۰۹ھ) : مثنوی میر حسن مرحوم

۳۔ رام پور (۱۲۱۰ھ) : مثنوی میر حسن

۴۔ بنارس (۱۲۱۱ھ) : مثنوی بے نظیر شاہزادہ و بدرِ منیر شاہزادی

---

[1] محولہ بالا مجموعہ مثنویاتِ حسن میں اس مثنوی کا یہی نام مرقوم ہے؛ لیکن متعلقہ مصرعے پر نظر رکھی جائے تو صاف طور پر یہ کہا جائے گا کہ اس کا نام "عید کی تہنیت" لکھا جانا چاہیے تھا؛ یوں کہ خود شاعر نے یہی نام لکھا ہے۔ اسے بدلنے کا ہم میں سے کسی کو کوئی حق حاصل نہیں۔

Scanned with CamScanner

بات ہوئی ہو، مصحفی نے اپنے تذکرے میں اس کا یہی نام لکھا۔ اس طرح اس وقت تک جو معلومات ہمارے سامنے ہے، اُس کے مطابق یہ نام پہلی بار مصحفی کے تذکرے میں آیا ہے۔

افسوس نے اپنے دیباچے میں جو یہ لکھا ہے کہ یہ مثنوی "اسم بامسمّٰی ہے" اور یہ کہ اس کا ہر شعر دلوں کو لبھانے کے لیے ایک موہنی منتر ہے اور ہر داستان سحر سامری کا دفتر ہے؛ یہ عبارت "سحرالبیان" کی معنوی مناسبت کی رعایت سے لکھی گئی ہے اور یہاں بھی وہی خیال ذہن میں آتا ہے کہ مصنف کا رکھا ہوا اس کا کوئی نام تھا نہیں، اس لیے اس معنویت اور مناسبت کی بنا پر اس کلمے کو بہ طور نام مان لیا گیا۔ مصحفی اس کلمے کو بہ طور نام لکھ ہی چکے تھے۔

نسخہ کلکتہ کے آخری سرورق پر اس کا جو نام لکھا ہوا ہے: "سحرالبیان یا میرحسن کی مثنوی" تو یہ آخری فکرا (میرحسن کی مثنوی) اس کا اشارہ نما ہے کہ مثنوی کے متعدد کاتبوں نے اس کا نام "مثنوی میرحسن" لکھا تھا اور بیش تر تذکرہ نگاروں نے بھی "سحرالبیان" کے بجائے اس کا نام مثنوی میرحسن لکھا ہے (یا ایسا ہی کوئی اور کلمہ)۔ مثلاً عمدۂ منتخبہ، مجموعہ نغز اور گلزار ابراہیم میں اسے مثنوی بے نظیر و بدر منیر لکھا گیا ہے اور تذکرۂ بہار بے خزاں کی عبارت "در مثنوی سحرالبیان کہ مشہور بہ قصہ بے نظیر و بدر منیر است" سے یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ مثنوی عام طور پر مثنوی میرحسن کے نام سے یا قصہ بے نظیر و بدر منیر کے نام سے مشہور تھی۔ اس زمانے میں اس کا نام "سحرالبیان" بس چند حوالوں میں ملتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ مقدمہ شعر و شاعری میں (جو خاصی موثر تصنیف ہے) مولانا حالی نے جہاں "مثنوی" سے متعلق اپنے خیالات تحریر کیے ہیں وہاں کئی اور مثنویوں کے تو نام لکھے ہیں، مگر میرحسن کی اس مثنوی کا نام "سحرالبیان" کہیں نہیں لکھا، ہر جگہ اسے "بدر منیر" کہا ہے۔ متعلقہ عبارت میں اس کا ذکر چار جگہ آیا ہے اور چاروں جگہ اسے "بدر منیر" لکھا گیا ہے۔ (ممکن ہے کہ حالی کا یہی خیال ہو کہ اس مثنوی کا

Scanned with CamScanner

یہی نام ہے)۔ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اب بہ طورِ عموم اسے "سحرالبیان" کہا جاتا ہے (جس طرح مصحفی اور افسوس نے اس کا نام "سحرالبیان" لکھا ہے) اس بنا پر اس مثنوی کا نام "سحرالبیان" اختیار کیا گیا ہے۔

زمانۂ تصنیف

اس مثنوی کے آخر میں میر حسن کا کہا ہوا کوئی قطعہ تاریخ تکمیلِ مثنوی موجود نہیں، اس مثنوی کے کسی شعر سے بھی اس کا علم نہیں ہوتا البتہ مثنوی کے آخر میں قتیل اور مصحفی کا ایک ایک قطعہ تاریخ شامل ہے، ان کے مادہ ہائے تاریخ سے سنہ ہجری ۱۱۹۹ھ نکلتا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی کی تکمیل ۱۱۹۹ھ میں ہوئی۔ ان دونوں قطعات کو خود میر حسن نے شاملِ مثنوی کیا ہے۔ متعلقہ اشعار میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس لیے اس سنہ تکمیل پر کسی طرح کا شک وارد نہیں ہوتا اور اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۹۹ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ ہاں، مہینے اور تاریخ کا علم نہیں اور بہ ظاہر اس کے معلوم ہونے کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی! اس لیے اس ہجری سنہ کی جب عیسوی سنہ سے مطابقت کی جائے گی، تو دو عیسوی سنہ لکھے جائیں گے ۱۱۹۹ھ، مطابق ۸۵-۱۷۸۴ء۔ اس سلسلے میں دو اپنے حوالے پیش کیے گئے ہیں، جن سے بہ ظاہر اس سنہ تکمیل کی نفی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اپنی کتاب میر حسن اور ان کا زمانہ (طبع لاہور ۱۹۵۹ء) میں لکھا ہے:

> "بوڈلین لائبریری کے مخطوطات کی فہرست کے مرتب کی رائے میں سحرالبیان ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء میں لکھی گئی۔ یہی بیان اسپرنگر کی فہرست میں بھی ہے" (ص ۳۷۶)۔

(دونوں فہرستیں میرے سامنے نہیں)۔ ان دونوں اندراجات کے متعلق قریشی

افسوس کی روایت ہمارے کام کی ہے کہ آصف الدّولہ نے ایک دوشالا عطا کیا تھا۔ یہ عزت افزائی تھی (یعنی آصف الدّولہ کسی بھی طور پر میرحسن سے ناراض نہیں تھے)۔ میرحسن کا رتبہ بڑھا، مگر دل "گھٹ گیا"۔ یوں کہ جس بڑی توقع کے ساتھ اُنھوں نے یہ مثنوی نواب کی خدمت میں پیش کی تھی، وہ پوری نہیں ہوئی۔ اُنھوں نے کسی بڑے (نقد) صلے کی توقع باندھی ہوگی۔ اور یہ تو سچ ہے کہ خالی خولی عزت افزائی، نقد صلے کا بدل نہیں ہو سکتی۔ میرحسن کی پریشاں حالی کا مداوا دوشالے سے نہیں، نقد رقم سے ہو سکتا تھا اور شاعرانہ عزت افزائی کا اور شاعر کے لیے دلی تسکین کے حصول کا بھی یہی واحد ذریعہ ہو سکتا تھا۔ آصف الدّولہ جیسے لکھ لُٹ سے اس کی توقع بھی کی جا سکتی تھی اور بجا طور پر؛ مگر بات وہی ہے جسے سعدی بہت پہلے کہہ گئے تھے کہ بادشاہوں کا احوال یہ ہوتا ہے: "گاہے بسلامے بر بخند و گاہے بدشنامے خلعت دہند"۔ یہ ٹھیک ہے کہ آصف الدّولہ بادشاہ نہیں تھے بادشاہوں والی اور صفات خواہ اُنھوں نے نہ پائی ہوں؛ سخاوت میں وہ ضرور بادشاہوں جیسے تھے۔ وہ شاہانہ کفایت شعاری، جس کی بنیاد دور اندیشی پر ہوتی ہے (ایسی بعض اور صفات کی طرح) اُن کے حصے میں نہیں آئی تھی۔

عنوانات

اس مثنوی کے جتنے بھی خطی اور مطبوعہ نسخے (بہ شمول نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ) میری نظر سے گزرے ہیں، اُن سب کے متن میں عنوانات شامل ہیں۔ نسخہ کلکتہ میں عنوانات پر مبنی فہرست بھی اس نسخے کے آخر میں ملتی ہے، متن ختم ہونے کے بعد اور غلط نامہ شروع ہونے سے پہلے۔ فہرست کا عنوان ہے: "فہرست مثنوی میرحسن دہلوی کی"۔ کُل بتیس عنوانات ہیں۔ آخری عنوان کے بعد ایک سطر میں "غلط نامہ سب کے آخر میں" لکھا ہوا ہے۔ عنوانات کے سلسلے میں یہ

"داستان" ضروری تھا۔ اسی لیے متنِ کتاب کے مطابق عنوانات میں ہر جگہ "داستان" کو شامل رکھا گیا ہے۔ جن دو تین مقامات پر متنِ کتاب کے عنوانات میں لفظِ "داستان" شامل نہیں، وہاں یہ مان لیا گیا ہے کہ گنتی کے ان دو یا تین مقامات پر یہ کمپوزنگ کی فروگذاشت ہے اور اس لفظ کو شاملِ عبارتِ عنوان کر لیا گیا ہے۔

افسوس نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے: "اس کا ہر شعر اہلِ مذاق کے دلوں کے لبھانے کو موہنی منتر ہے اور ہر داستان اس کی سحر سامری کا ایک دفتر"۔ یہاں لفظِ "داستان" جس طرح آیا ہے، اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ عنوانات میں "داستان" کا لفظ خاص طور پر شامل تھا یا شامل کیا گیا ہے (دوسری بات زیادہ قرینِ قیاس ہے) اور اسی سے مجھے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اس کا امکان ہے کہ طباعت کے لیے جب اس مثنوی کا مسودہ مرتب کیا گیا ہو تو افسوس کا مشورہ اس میں شامل ہو اور عنوانات انھی کے قائم کیے ہوئے ہوں، اگرچہ اس سلسلے میں کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔

قطعاتِ تاریخ

اشاعتِ اوّل (نسخہ کلکتہ) کے آخر میں دو قطعاتِ تاریخ شامل ہیں، ایک قتیل کا اور ایک مصحفی کا؛ جن سے اس مثنوی کا سالِ تکمیلِ تصنیف ۱۱۹۹ء معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں قطعے اصل متن کا حصہ ہیں، یوں کہ میر حسن نے خود ان کو مثنوی کے آخر میں شامل کیا ہے۔ ان کے اشعار (۲۱۸۹، ۲۱۹۰، ۲۱۹۶) میں اس کی صراحت موجود ہے۔

یہ دل چسپ بات ہے کہ جو قلمی نسخے اس مثنوی کے میرے سامنے ہیں، ان میں سے نسخہ آزاد، جموں، لکھنؤ، ادبیات ۱، ادبیات ۲ میں یہ دونوں قطعاتِ تاریخ موجود نہیں۔ ان نسخوں میں شعر ۲۱۸۹ سے ۲۱۹۲ تک، وہ اشعار بھی موجود

ہے" سے انشا کی رائے کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں دل چسپ بات یہ ہے کہ مصحفی اور قتیل نے، جن کی تاریخیں سحرالبیان کے آخر میں شامل ہیں، رنگین کی اس مثنوی کی بھی تاریخیں کہیں اور اسے سحرالبیان سے بڑھا دیا۔ وحید قریشی صاحب نے قتیل اور مصحفی کی تاریخیں نقل کی ہیں اور جرأت کی تاریخ کا ایک مصرع نقل کیا ہے (ایضاً ۵۲۷)۔ قتیل نے کہا: شد بروں از دلِ صغیر و کبیر ❖ الفتِ بے نظیر و بدرِ منیر۔ مصحفی نے لکھا: اس کے نقشے کے سامنے فی الحال ❖ نقشِ سابق ٹھہر گئے باطل۔ اور جرأت کے ہیں: ہے یہ بدرِ منیر سے بڑھ کر۔ مان سنگھ فراق کا شعر ہے: دلق رنگیں پنجاے اس کو دیکھ ❖ اس کی بدرِ منیر ہے بیٹھن۔

تو خیر پرانی باتیں تھیں۔ معرکۂ چکبست و شرر کے سلسلے میں محض خط میں اور نسیم کے غیر ضروری دفاع میں اس مثنوی پر بہت سے اعتراضات کیے گئے۔ ایک دو مضمون اور بھی ایسے ہی ملتے ہیں (ضمیمۂ تشریحات میں ایسے جملہ قابلِ ذکر اعتراضات کا متعلقہ اشعار کے تحت حوالہ دیا گیا ہے)۔ ان سب کے باوجود سحرالبیان کی یکتائی اور بے مثالی پر حرف نہیں آسکا ہے۔

قصّے کے مآخذ

کہانی کے لحاظ سے داستانی قصوں کو دو حصوں میں رکھا گیا ہے: طبع زاد، ترجمے۔ مثلاً باغ و بہار ترجمہ ہے اور فسانۂ عجائب کے قصے کو طبع زاد کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے سحرالبیان کا قصہ طبع زاد ہے، یعنی فارسی کے کسی داستانی قصے کا ترجمہ نہیں۔ کہانیاں چھوٹی ہوں یا بڑی، اکثر صورتوں میں وہ مختلف بکھرے ہوئے اجزا کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ ایک خیال کہیں سے آیا ہے، کوئی جھلک کسی اور طرف سے پڑ گئی، کہانی کہنے والے کا ذہن اُن اجزا کو اپنے طور پر مرتب کر لیتا ہے اور یوں وہ طبع زاد

قصہ بن جاتا ہے۔ یہی احوال سحر البیان کے قصے کا بھی ہے۔ خود میر حسن نے یہ کہا ہے کہ میں نے ایک نئی کہانی بنائی ہے:

سُو میں اک کہانی بنا کر نئی ۔۔۔ دُرِ فکر سے گوندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز ۔۔۔ یہ اُمید ہے پھر کہ ہوں سرفراز

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں کئی لڑیاں گوندھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے، یہ اخذ و ترتیب کے اُسی عمل کی ترجمانی کر رہا ہے جو بہ طورِ عموم ایسے داستانی قصوں کی ساخت میں کارفرما رہا کرتا ہے (یہ ضروری نہیں کہ میر حسن نے یہ مصرع اسی لحاظ سے لکھا ہو، لیکن بجائے خود یہ ترجمانی ہے نیا قصہ بنانے کے طریقِ کار کی)۔ ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب اردو مثنوی شمالی ہند میں اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب اردو کی منظوم داستانیں، دونوں میں اس قصے کے مختلف اجزا کی نشان دہی کی گئی ہے۔ میں اُن پر کچھ اضافہ نہیں کر سکتا۔ جین صاحب کی کتاب سے ضروری حصے نقل کیے جاتے ہیں:

"مثنوی کا پلاٹ گو بہ ظاہر طبع زاد ہے، لیکن اس کے مختلف اجزا الف لیلہ، قدیم فارسی مثنویوں اور داستانوں میں مل جاتے ہیں۔ بادشاہ کے اولاد نہ پیدا ہونا اور پھر اواخرِ شیب میں بیٹا پیدا ہونا، ایسا عام خیال ہے جو کسی داستان کی جاگیر نہیں۔ چار درویش کا قصہ بھی بادشاہ کی لاولدی سے شروع ہوتا ہے۔ شہزادے کے بارے میں نجومیوں کی یہ پیشین گوئی کہ اُسے بارہ یا چودہ سال کی عمر تک کوئی اندیشہ نہیں، پیشِ پا اُفتادہ تمہید ہے۔ چناں چہ چار درویش میں شہزادۂ نیم روز کی ولادت کے وقت نجومیوں نے کہا تھا کہ چودہ برس تک اسے آفتاب و ماہتاب کے مشاہدے سے اندیشہ ہے ..... پری کا شہزادے کو لے اُڑنا بھی پرانی رسم ہے۔ عارف الدین خاں عاجز نے ۷۸-۱۱۵۰ھ میں مثنوی لعل و گوہر لکھی،